

تنزیل و تاویل امثال لقمان

(۵)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب حیرچوڑی

(۱۷) شرک کی نامعقولیت اور شرکاء کی بیچارگی کی مثال۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ لَّكُمْ
سَمِعُوا اللَّهَ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا
لَهُ وَإِنْ يَسْأَلُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا
لَا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ طَعْفَ الطَّالِبِ
وَالْمَطْلُوبِ ۚ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ
قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ أَقْوَىٰ عَزِيزٌ (حج - ۱۰)

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے
غور سے سنو۔ اللہ کے ماسوا جن ہستیوں کو تم مجھشت
معبود پکارتے ہو، وہ (اس قدر عاجز و بیچارہ ہیں
کہ) ایک مکھی تک نہیں پیدا کر سکے خواہ سب کے سب
مل کر ہی کیوں نہ پیدا کرنا چاہیں۔ اور اگر مکھی جیسی
ادنی اور بیخ مخلوق، ان سے کوئی چیز چھین لے تو
وہ اس سے اس چیز کو واپس بھی نہیں لے سکتے

طالب اور ان کے مطلوب دونوں ایک جیسے کمزور ہیں۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بچانا نہیں جیسا کہ بچا پنہی
کا حق تھا۔ بیشک اللہ قوت اور غلبہ والا ہے (اس کے علاوہ ساری موجودات اس وصف سے بالکل محروم
ہیں)۔

یہ مثال اس قابل ہے کہ ہر انسان اپنے قلب پر اس کو نقش کر لے اور اس کے معارف میں غرق ہو کر

فلسفہ الوہیت پر غور و فکر کرے۔ اگر دل میں حق کی طلب ہوگی تو ناممکن ہے کہ وہ جمال وحدانیت سے محروم ہوئے بغیر اس کی گہرائیوں سے واپس آئے۔ یہ تمثیل شرک کی جڑ بنیاد کھود کر رکھ دینے والی ہے۔ کیونکہ یہ ایک بدیہی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ معبودیت کا کتر سے کتر درجہ یہ ہے کہ معبود اپنے بندوں کو نفع پہنچانے اور ان سے نقصان کو دفع کرنے پر قادر ہو۔ ورنہ اگر وہ اپنے اندر اتنی بھی سکت نہیں رکھتا تو اسے کیا حق ہے کہ اپنی پرستش کرے اور لوگ اس کی پرستش کریں کیوں؟ لیکن مشرکین کے معبودوں کا کیا حال ہے؟ نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا تو بڑی چیز ہے، وہ غریب اتنے بے بس، اتنے لاچار اور اتنے عاجز ہیں کہ سب مل کر بھی ایک سچی تک نہیں پیدا کر سکتے، اور پیدا کرنا تو درکنہ اگر مکھی جیسی کمزور مخلوق ان کے چرچاؤ میں کوئی چیز لے اڑے تو یہ کائنات کے دو فرمانروا، اتنی بھی قوت نہیں رکھتے کہ اس سے اس چیز کو چھین کر واپس لے لیں اور اس سے اس گستاخی کا انتقام لیں۔ گویا ان سے بڑھ کر ضعیف اور عاجز و ناتواں ہستی کوئی نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی درست ہوش و حواس رکھنے والا انسان ایسی ہستیوں کے آگے سر جھکانے کو گوارا کس طرح کر سکتا ہے۔

یہ مثال شرک کی نامعقولیت اور مشرکین کی بے عقلی اور سفاہت پر ایک جملہ بالغہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا طرز استدلال قرآن کے بلیغ ترین استدلالوں میں سے ہے۔ اس کی روشنی میں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیطان ان مشرکین کی عقلوں کو کس طرح الٹ دیتا اور کس حد تک ماؤف بنا دیتا ہے کہ وہ پتھر کی بے جان مورتیوں میں، جن کی طاقت اور قدرت کا یہ حال ہے کہ معمولی اور حقیر سے حقیر مخلوق کو بھی نہیں پیدا کر سکتیں، حتیٰ کہ اگر حقیر ترین مخلوق ان کی جناب میں گستاخی کر کے کوئی چیز سامنی سے اچک لے جائے تو سب کی سب مل کر بھی اسے چھڑا کر واپس نہیں لے سکتیں، ایسی بے جان اور بے حقیقت مورتیوں میں یہ عقل کے دشمن الوہیت جیسی چیز کا جلوہ دیکھتے ہیں اور انہیں معبود اور الہ سمجھ کر ان کے سامنے پیشانیاں ٹیکتے ہیں۔ حالانکہ معبود اور الہ کی معبودیت والوہیت کا ابتدائی اور

بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہو، قادر مطلق ہو، ہمہ دان ہو، سب سے بے نیاز ہو، سب کا ملجا و مرجع ہو، فریاد رس اور معدلت گستر ہو۔

اس حقیقت کے اظہار کے بعد کہ الوہیت کے مقام اور اصنام کی خمیت میں کتنا بعد المشرقین ہے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ **وَضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ** یعنی عابد و معبود دونوں یکساں ضعیف اور ناتواں ہیں، یہ تغیر ان لوگوں کی ہے جن کا خیال ہے کہ یہاں طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود ہے، یعنی ایک عاجز دوسرے عاجز سے چشم ابید رکھتا ہے یا پیا سا پیا سے پانی مانگ رہا ہو اور یہ کتنی بڑی نادانی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سالب اور مطلوب کی یکسانی دکھائی گئی ہے یعنی معبود ان باطل اور مکھی دونوں ضعیف و بیچارگی کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اس تاویل کی رو سے طالب وہ بت ٹھہرے اور مطلوب مکھی جو ان کا چڑھاوا لے اڑی ہو۔ ایک تیسری تاویل اور بھی ہے جو دوسری کے بالکل عکس ہے۔ ہمارے نزدیک لفظ کی وسعت اور عمومیت ان سب تاویلات کو محیط ہے، اور ضعیف کی نسبت عابد (بت پرست)، معبود (بت) اور سالب (مکھی) سب کی طرف ہے۔ پس ایسی ضعیف ہستی کو جو اپنی ہی طرح بے دست و پا ہو، اپنا معبود اور اللہ قادر مطلق کا شریک قرار دینے والا دراصل الوہیت کے تصور سے عاجز ہے اور معبود کے علو و کمال کا دراصل کوئی احساس نہیں رکھتا در نہ اس سے یہ ظلم عظیم ہرگز بزرگ نہ ہوتا۔

(۱۸) کفار کے پتھر جیسے سخت دلوں سے حق کی آواز نہ ٹکرا کر کس طرح ناکام واپس آتی ہے۔ اس کی

مثال:

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ
الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دَعَاءَ
وَنِدَاءَ مَصْرُوكُمْ غَمِيٌّ فَهُمْ

کفار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک ایسی
چیز کو پکار رہا ہو جو پکارنے اور بلانے کی آواز کے
سوا کچھ نہیں سنتی یعنی پکارنے والے کا مطلب بالکل

لَا يَعْزِلُونَ (بقرہ - ۲۱) نہیں سمجھتی) یہ کافر لوگ نرے گونگے ماہرے اور اندھے ہیں جو کچھ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔

”نعیق“ چرواہے کی اس آواز کو کہتے ہیں جسے وہ گلے کو پکارنے اور بلانے کے وقت اپنے منہ سے نکالتا ہے۔ تجزیہ کرنے سے اس تشبیہ میں مشابہہ کے اجزاء اور افراد نکلتے ہیں۔ ایک ناعق یعنی چرواہا۔ دوسرا منعوق بہ یعنی گلہ۔ رہ گیا یہ امر کہ چرواہا ہے اور گلے سے تشبیہ کس چیز کی دی گئی ہے سو اس بارے میں علماء تفسیر کے چند مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق ناعق سے مراد بت پرست ہے جو اپنے بتوں کو بوقت احتیاج بلاتا ہے اور ان سے دعائیں مانگتا ہے۔ اور منعوق بہ سے مراد وہ بت ہیں جنہیں اس کے پجاری بلاتے ہیں۔ اس تاویل کے لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ بتوں کو بلاتے اور ان سے دعائیں اور منتیں مانگتے وقت کفار کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جو اپنے جانوروں کو چلا چلا کر بلاتا ہے اور وہ اس کی آواز کو سمجھتے تک نہیں۔ عبدالرحمن ابن زید وغیرہ کا یہی خیال ہے۔

علامہ زمخشری اور دوسرے بہت سے اہل تفسیر نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ”الادعاء ونداء“ کے الفاظ اس تاویل کا کسی طرح ساتھ نہیں دیتے، کیونکہ بت تو مطلقاً کسی آواز یا پکار کو سنتے ہی نہیں۔ اور آیت کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ منعوق بہ پکارنے والے کی بات کو سمجھتا تو نہیں مگر سنتا ضرور ہے۔ لہذا یہاں بتوں کو مشابہہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اس اعتراض کے تین جواب دیے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ اس جگہ لفظ الاذان مذہب ہے، اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ”و کفار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو بلاتا ہو جو پکارنے اور چلانے کی آواز تک نہیں سنتی“۔ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر چسپاں اور غلط جواب ہے۔ قرآن کی تفسیر اگر اس انداز سے کی جائے کہ جس لفظ کو جہاں چاہا نام لکھ دیا اور جس کو جہاں ضرورت سمجھی محذوف قرار دیا تو قرآن باوجود اطفال بن جائیگا۔ اور تحریف معنوی کا دروازہ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا

جائے گا۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تشبیہ میں پیش نظر محض دعاء (بلانا اور آواز دینا) ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ بلائے کا انجام دونوں جگہ یکساں ہے۔ اس جگہ مدعو کی (یعنی جس کو بلا یا گیا ہو، اس کی) خصوصیت سے بحث نہیں ہے۔ اس لیے اگر مشبہہ میں ایک ایسی زائد صفت اور خصوصیت پائی جائے جو مشبہہ میں موجود نہیں تو اس سے نفس تشبیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تیسرے جواب کی رو سے آیت کی توضیح اس طرح ہوگی کہ ”یہ خود ساختہ معبودوں سے، جن کو احساس تک نہیں ہوتا کہ انھیں مخاطب کر کے کوئی کیا کہہ رہا ہے، دعائیں مانگنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے ریوڑ کو بلا اور پکار رہا ہو اور اس پر اس کے بلائے اور چلانے کا کوئی اثر نہ ہو رہا ہو اور اس کی ساری چیخ پکار کا حاصل صرف یہی ہوتا ہو کہ بس وہ بلائے جا رہا ہے۔ یہی مشرک کا حال تو ہے جبکہ وہ اپنے گونگے پیرے خداؤں کو گڑگڑا کر گڑگڑا کر بلاتا ہے اور گڑگڑانے اور دعائیں مانگنے کی محنت مشقت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔“

دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ کفار کی مثال ان بہائم کی سی ہے جو چرواہے کی پکار کا مطلب بالکل نہیں سمجھتے۔ صرف اتنا محسوس کرتے ہیں کہ اس کے حلق سے آواز نکلی رہی ہے۔ یعنی اس تاویل کے قائلین کے نزدیک اسی سے مراد پیغمبر ہے جو کفار کو حق کی طرف بلا رہا ہے اور بہائم سے مراد اہل کفر و شرک ہیں۔ جنھیں اسی حق بلا رہا ہے مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سیبویہ نے آیت کی تشریح اسی طرح کی ہے۔

اس تمثیل کو تشبیہ مرکب بھی مانا جاسکتا ہے اور تشبیہ مفروق بھی۔ پہلی صورت میں حدائے حق کو نہ سمجھنے اور اسے فائدہ نہ اٹھانے والے کفار کی تشبیہ دینی مقصود ہوگی اس نکتہ سے جو چرواہے کی پکار کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتا کہ وہ کچھ بول رہا ہے۔ اور اگر اسے تشبیہ مفروق مانا جائے یعنی وہ تشبیہ جس میں مشبہہ اور مشبہہ بہ کے تمام متقابل اجزاء میں مماثلت اور مشابہت ضروری ہوتی ہے تو اس صورت میں کفار بمنزلہ بہائم کے ہونگے، اور دعوتِ حق و ہدایت بمنزلہ نفعیق (جانوروں کو بلائے کی آواز) کے ہوگی اور ان کفار کا اس دعوتِ حق کو صدائے محض سمجھنا

بمنزلہ ادراک بہائم کے ہوگا جو پرواہ کے بلائے اور پکارنے کی آواز کو ایک بے معنی آواز سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

(۱۹) انفاق فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل الطاعت کی مثال :

جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی ذخیرات کی، مثال اس دانے کی ہے جس میں سات خوشے اور ہر خوشے میں سو دانے پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے برکت عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت اور قدرت رکھنے والا نیز ہر شے سے باخبر ہے..... اے ایمان والو اپنے صدقات کو اس جتا کر اور مسائل کو ایذا دیکر اکارت نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جو شخص اس طرح کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر دھوڑی سی (مٹی پڑی ہو، پھر اس پر تیز بارش ہو اور دھوڑی کی اس بتی سی تہ کو بہا کر) چٹان کو چکنی اور پیسٹ کر کے چھوڑ دے (یہی انجام ہے ریاکار صدقہ ہنڈوں کی قیامت میں)۔ یہ لوگ اپنے ویسے ہوئے صدقات میں کچھ نہ حاصل کر سکیں گے اور اللہ ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال خرچ

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ..... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صِدْقِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِيَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَ صُدًّا لَا يُقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ. وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ حَبَّةٍ بَرِيَّةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْهَا كَمَا أُضْعِفِينَ فَإِنُ لَّهٗ يُصِيبُهَا وَابِلٌ فَطَلَّهَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ. يَوْمَ أَحْكُمُ

اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَّلَعَنَابِ
تَجْرِى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ لَمْ يَفْهَمِ مِنْ كُلِّ
الشَّمْرِ اَيْ وَاَصَابَةُ الْكَبِيْرُ وَاَلْذُرِّيَّةُ
ضَعْفَاءٌ فَاَصَابَهَا اِعْصَابٌ فَيَوْمِ نَارٍ فَاَلْحَقَتْ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ الْاٰيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(بقرہ - ۳۶)

کرتے ہیں محض خدا کی رضا جوئی کے لیے نیز خلوص اور
ثبات قلبی کے ساتھ، ان کی خیرات کی مثال ایک باغ
کی سی ہے جو ٹیٹلے پر واقع ہے، پھر اس پر زور کا
میدن برسا اور (عام انداز سے) دو گنا پھل لایا اور
اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہوئی تو اسے ہلکی بھوٹا
(بھی بس کرتی ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے سارے
اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کریگا
کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک بلخ ہو اس کے
نیچے نہیں بڑی بڑی ہوں، اس میں ہر قسم کے میوے

ہوں اور بڑھا پاؤں سے آئے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ناتواں بچے ہوں۔ (ایسی حالت میں) باغ پریشانی
بگولا چلے اور وہ جل بھن کر رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے یونہی کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ
تم غور کرو۔

یہ ایک مفصل تمثیل ہے جس میں انفاق لوجہ اللہ اور انفاق ریائی دونوں کی حقیقت اور دونوں کے
انجام اور ثمرات کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ پہلے انفاق فی سبیل اللہ کے انجام کی مثال دی گئی ہے کہ خدا کی
راہ میں۔ خواہ جہاد میں یا کسی نیک کام میں۔ خرچ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو زمین میں
بیج ڈالتا ہے اور ہریج سے سات خوشے پیدا ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر سو سو دانے ہوتے ہیں
گو یا ایک دانہ بکر سات سو حاصل کرتا ہے۔ اللہ کے لیے مال قربان کرنے والا یونہی اپنا مال ضائع نہیں کرتا
بلکہ درحقیقت کئی گنا سے بڑھاتا ہے۔ اس بڑھوتری کا انحصار خرچ کرنے والے کے خلوص اور ایمان پر نیز
مال کی منافعت اور خفشار کی حیثیت پر ہے، کیونکہ صدقہ کا ثواب صدقہ دینے والے کی قلبی کیفیت لحاظ سے متعاقب

ہوا کرتا ہے۔ نیت ایک میزان ہے جس پر ہر عمل کا وزن کر کے اس کا بدلہ متعین کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر اس انفاق کی، جس کا ثواب حد مذکورہ تک پہنچنے والا ہے، یعنی کمال انفاق کی دو صفتیں بیان کی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے ہو، مشہرت پسندی اور ریا کاری کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔ دوسری صفت قَدْ تَيَّمَنَّا مِنْ أَلْفُسِهِمْ کی ہے۔ تئیمت کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات دینے والا صدقہ نکالتے وقت دل میں کسی قسم کی تنگی نہ محسوس کرے بلکہ کھلے دل سے اور ثبات قلب کے ساتھ دے اور مال کو اپنے ہاتھ سے نکالنے سے پہلے اپنے دل سے نکال دے۔ یہی تئیمت نفس ہے جو اموال خیرات کی مقدار اور نوعیت کے ساتھ مل کر خیرات و صدقات کی قدریں مقرر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ سیکڑوں گنا زیادہ معاوضہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھو کہ اس صدقہ کی حقیقت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی معنویت کو کس طرح مشہود کرایا ہے۔ سو پہلے تو اللہ تعالیٰ نے صدقہ کو بیج سے تشبیہی ہے، گویا اپنے پاک مال کو بغیر کسی دوسرے جذبہ کے خلوص دل سے خدا کی راہ میں خیرات کرنے والا ایک کسان ہے جو اپنے مال کو عمدہ اور ستھری زمین میں بوتا ہے اور اسے پیداوار کا کم و بیش ہونا بیج کی عمدگی، زمین کی زرخیزی، پودوں کی آبپاشی اور خود روگھاں پات سے ان کی حفاظت پر منحصر ہے۔ اگر یہ تمام لوازم بدرجہ کمال موجود ہو جائیں اور کھیتی پر کسی قسم کی ارضی یا سماوی آفت نہ آئے تو وہ نہایت شاداب اور زوردار ہوگی اور اس کی مثال اس باغ کی سی ہوگی جو اونچی زمین پر واقع ہے، جہاں اسے ہر وقت کھلی ہوا، دھوپ اور روشنی مل رہی ہے اور اس کے درخت پوری آزادی کے ساتھ نشوونما حاصل کر رہے ہیں۔ پھر ابر بہا آتا ہے اور جی کھول کر اسے سیراب کرتا ہے۔ انجام کار اس کے درخت دوسرے درختوں کی بہ نسبت دو چند پھل لاتے ہیں اور اگر موسلا دھار بارش نہیں بھی ہوتی تو ہلکی سی بارش بھی اس کے لیے کافی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی زمین اپنے اندر روئیدگی کی کامل استعداد رکھتی ہے۔ یہی حال ہے اس صدقہ کے نشوونما اور اس کی برومندی کا جو خلوص اور لئیمت کی مقدس زمین میں ہوتا

جاتا ہے۔ اسبابِ ثبو کے تفاوت کے لحاظ سے اس کے حاصل میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ واپل (زور کا مینہ) اور طل (دہکا مینہ) کے الفاظ اسی تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بعض صدقے واپل کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض طل کی۔ جو بسیار و خدا میں دے گا ویسا ہی وہاں سے اجر بھی پائیگا۔

اس کے برعکس معاملہ ہے اس شخص کے انفاق کا جو حرج تو کرتا ہے لیکن بے فائدہ جس کا کوئی حاصل نہیں۔ یعنی خدا کے بے اور تثبت نفس کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ شہرت طلبی اور ریاکاری کے جذبہ کے ماتحت دیتا ہے۔ انجام کار اس کا سارا دیا دلایا اکارت جاتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس بد بخت اور حسرت نصیب انسان سے دی ہے جس کے پاس کھجور اور انگور کے بیش قیمت باغات ہوں، جسکے نیچے بہریں پڑی بہ رہی ہوں اور اسے برابر سیرابے شاداب کھتی ہوں ہرسم کے پھل لگے ہوئے ہوں۔ اور وہ خود کہن سالی کی عمر کو پہنچ چکا ہو اسکی اولاد خود سال اور نانا ہوں، یعنی نہ خود کمانے کی سکت رکھتا ہو اور نہ بچے اس قابل ہوں۔ ایسی حالت میں۔ جبکہ وہ بلوغ کی برومندی کا سخت ماحتمند ہے۔ لوؤں کی پیٹ آئے اور سارے باغ کو مھلس کر خشک کر دیا بالکل یہی حال ہے اس شخص کا جو دکھانے کے لیے اپنا مال خیرات کیا کرتا ہے۔ ابھی تو اپنی فیاضی کے غرور میں سر مست ہے۔ لیکن جب اس فیاضی کی قیمت معلوم ہونے کا وقت آئیگا اور داور محشر کے سامنے اس کا اعمانا کھولا جائیگا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ ہوگی کہ جس کشت عمل کی شادابی اور ثمروری پر وہ اس قدر نازاں تھا اور اس پر اعتماد کیے بیٹھا تھا، عین اس وقت جبکہ وہ اس کے ثمرات کا سخت ماحتمند ہے، ساری کھیتی جل کر خشک ہو چکی ہے، اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اب دوبارہ جوتنے بوسنے کا موقع بھی نہیں۔ وجہ مشابہت دونوں کے انجام میں صاف ہے، یعنی شدید احتیاج کے وقت نعمت کا چھن جانا، آرزوؤں کا تاراج ہو جانا اور ہیبت ناک حسرتوں سے دوچار ہونا۔

اس امر میں کہ یہ مثال کس شخص کی دی گئی ہے، بعض دوسرے اقوال بھی مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جس کا خاتمہ فساد انگیزی اور فتنہ پروری پر ہوا ہو۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ یہ

اس شخص کے حالات کی تمثیل ہے جو زندگی بھر طاعت الہی میں کوتاہیاں کرتا رہا ہو۔ سُدی کے نزدیک یہ اس ریاکار کی تشبیہ ہے جس نے خدا کی رضا جوئی کو نظر انداز کر کے داد و دہش کی ہو۔ یوں تو آیت کے عموم میں ہر قول کی سمائی ہے، لیکن سیاق و سباق آخری قول کی ہی تائید کرتا ہے۔

اس تمثیل کا ایک حصہ اب اور باقی رہ جاتا ہے۔ یعنی صدقات باطل کی مثال۔ صدقا کو باطل کرنے والے امور و طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو صدقات کو ذریعہٴ ثواب اور علت ثواب بننے ہی سے روک دیتے ہیں، مثلاً ریا اور نام و نمود کی خواہش۔ دوسرے امور جو صدقات کو ذریعہٴ ثواب بننے سے تو نہیں روکتے لیکن اس ثواب کو باطل اور معدوم کر دیتے ہیں جو ان صدقات کے عوض ملنا چاہیے تھا مثلاً احسان جتاناً، یا سائل کو ایذا دینا۔ ایسے صدقات کی مثال اللہ تعالیٰ نے اس سخت اور سیاٹ جٹان سے دی ہے جس پر مٹی کی ایک ہلکی سی تہ آ کر جم گئی ہو پتھر تیز بارش آئے اور مٹی کی اس تہ کو بہا کر چٹان کو کھلی ہوئی سیاٹ حالت میں چھوڑ دے۔ اس تمثیل کے اجزاد اور شبہ کے اجزاء کے ساتھ ان کے تطابق کو دیکھو، قرآن کی شان عظمت اور اس کے اعجاز بیان کا کیسا روشن آئینہ ہے۔ اللہ کی خوشنودی کو چھوڑ کر دنیوی جاہ و نمود پر اپنا مال قربان کر نیوالے یا خیرات کر کے احسان جتاناً اور سائل کو تکلیف دینے والے آدمی کے قلبنا آشنائے اخلاص کو پتھر سے اور اسکے عمل کو جٹان پر جمی ہوئی مٹی سے تشبیہ دینے میں کتنے لطیف نکات پنہاں ہیں پتھر کی سختی مٹی کو اپنے اندر بانی جذب نہیں کرنے دیتی اور نہ اسے روئیدگی کی اجازت دیتی ہے کیونکہ اس کی فطرت میں یہ مادہ ہے ہی نہیں کہ بارش ہونے کے بعد مٹی کے ذرات کو اپنے سے مل کر رکھ سکے اور انھیں طانی اور روئیدگی قبول کر نہ سکا موقع دے سکے۔ معمولی زمین کے لیے تو بارش سبب روئیدگی ہے۔ مگر چٹان پر جمی ہوئی مٹی کے لیے بارش ہونے کے معنی یہی رہی روئیدگی بھی ضائع ہو جانے کے ہیں۔ اسی طرح جو قلب خلوص، لٹہیت اور ایمان اخلاص عاری ہوتا ہے اور محض نمائش کے لیے فیاض بنا رہتا ہے، جب اس پر آسمان شریعت سے اور نمود نوامی کی بارش ہوتی ہے تو وہ اسے قبول نہیں کر سکتا اور انجام کار عبادت کی ہلکی سی دہ تہ بھی، جو اس پتھر کے قلب پر نقاب بکر پڑی ہوئی تھی، اس بارش کے ریلے میں بہ جاتی ہے اور اس کا دل اپنی اصل ہیئت میں ایک سیاٹ تھوکی طرح لگا ہونے کا مظاہر ہو جاتا ہے، جس میں نشوونما کی کوئی استعداد نہیں ہوتی۔

(باقی)